تہنیت رباب

پی ایچ ڈی سکالر، شعبۂ اُردو، نمل، اسلام آباد

نیل زہرا

پی ایچ ڈی سکالر، شعبۂ اُردو، فاطمہ جناح ویمن یونی ورسٹی، راولپنڈی

تانیثیت کے سماجی و ادبی تناظرات: توضیحی مطالعہ

Tehniyat Rubab
PhD Scholar, Department of Urdu, NUML, Islamabad
Neel Zahra
PhD Scholar, Department of Urdu, Fatima Jinnah Women University, Rawalpindi

Social and Literary Perspectives of Feminism: An Expository Study

ABSTRACT

This article deals with the multifaceted landscape of contemporary feminism, examining its evolution, challenges and triumphs in the 21st century. Sacrifice, mercy, selfness and loyalty are the jewels of a women. Through a socio-literary lens, it explores the intersectionality of feminism, addressing issues of race, class, sexuality, and gender identity. By analyzing the diverse voices within the feminist movement, from grassroots activism to academic discourse, this study aims to highlight a comprehensive explaination of feminism's relevance and impact in today's society. Through nuanced exploration, it seeks to contribute to ongoing conversations surrounding gender equality and social justice.

Keywords: *Urdu literature, Feminism, Socio-cultural, Socio-literary, analysis, Expository study, gender equality, sexuality, social jistice*

تانیثیت دراصل ایک ایسا تعمیری فکری رجحان ہے، جو سماج کے دو اساسی اکائیوں کو باہم مربوط، ہم آہنگ اور یک ساں کرنے کے لیے کوشاں ہے۔ مرد و زن سماج بلکہ کائنات کی دو ایسی اکائیاں ہیں جن سے سماج تشکیل پاتا ہے۔ ضروری ہے کہ یہ دونوں تعمیری اکائیاں سماج کی تشکیل، تعمیر اور استحکام میں مساوی حصہ ڈالتے ہوئے نظامِ کائنات میں مثبت کردار ادا کریں۔ غیر مساوی رویہ غیر فطری اور غیر منصفانہ ہے اور غیر فطری و غیر منصفانہ رویے

توازنِ کائنات میں رخنے کا سبب بنتے ہیں، جس سے سماج عدم توازن اور تخریبیت کا شکار ہوتا ہے۔ اس تخریبی رویے سے بچاؤ اسی جنسی مساوات میں مضمر ہے۔

لفظ "تانیثیت" کا انگریزی متبادل Feminism ہے۔ لاطینی اصطلاح Femina ہے۔۔ یعنی کہ اس کا مفہوم و معانی "حقوقِ نسواں، تحریکِ نسواں، نسائی شعور یا نسوانیت" کے ہیں۔ مغرب میں تحریکِ آزادیِ نسواں کے حامیان کو "Feminist" کہا گیا، نیز نسوانیت کے حامی مردوں کے لیے بھی یہ اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔ اس کے بعد باقاعدہ طور پر "Feminism" تحریکِ نسواں کی اصطلاح کے طور پر مروج ہو گیا۔ بعدازاں "Feminism" کو تحریکِ نسواں یا تانیثیت کے لیے بطور اصطلاحِ تحریک استعمال کیا جانے لگا۔

روزِ اول سے مرد اور عورت کو ایک گاڑی کے دو پہیوں کی مثال کے طور پر استعمال کیا گیا ہے، یعنی جس طرح ایک گاڑی کے دونوں پہیے اہم ہیں اور ایک دوسرے پر انحصار کرتے ہوئے گاڑی کے درست نہج پر چلنے کو یقینی بناتے ہیں، بعینہٖ ایک کامیاب معاشرے کی تشکیل و تعمیر اور ترقی عورت اور مرد دونوں کا جسمانی و ذہنی ہم آہنگی کے ساتھ چلنے میں مضمر و منحصر ہے۔ معاشرے کی بہترین تشکیل کے لیے عورت مرد کے ساتھ کاندھے سے کاندھا ملا کر چلتی ہے، لیکن نہ جانے کیوں مرد کی انا کو یہ بات گوارہ نہیں کہ وہ اس کی برابری کا درجہ اختیار کرے۔

عورت اسی امید پر زندگی گزارتی رہی کہ آنے والے وقت اور حالات کے ساتھ یہ رویہ بدل جائے گا۔ اس طرح حالات اور وقت تو بدل گئے، گھڑی اور کیلنڈر تو نئے آ گئے لیکن مردوں کے مزاج، نیت اور خصلت نہیں بدل سکی۔ بظاہر ہر مقام میں ساتھ چلنے والی شریکِ سفر جسمانی طور پر ساتھ رہی، لیکن ذہنی طور پر وہ دُور ہوتی چلی گئی۔ اس اضطراب اور کرب کی سی کیفیت نے اسے احساسِ کم تری میں مبتلا کر دیا۔ اسی طرح بچیوں کی تربیت میں جنسی تفریق کے مراحل کہیں نہ کہیں مرد اساس ذہنیت کا عنصر پختہ کرتے رہے۔ جب اس امر کو ضروری سمجھا گیا اور اس کی طرف توجہ مبذول کروائی گئی تو باغیانہ ردعمل سامنے آیا۔ تانیثیت کا مقصد و غایت عورتوں کے متفرق النوع مسائل کا تدارک ہے۔ یہ تمام مسائل خواہ تہذیبی ہوں یا ادبی، ثقافتی ہوں یا سیاسی، معاشی ہوں یا معاشرتی، تعلیمی ہوں یا کاروباری ہر طرح کے مسائل کا مساوات اور عدل و انصاف سے مناسب تدارک اور اس ضمن میں حقوق، نسواں کے لیے مناسب آواز اٹھانا داخلِ تحریک نسواں ہے۔ اس تحریک کو تحریکِ حقوقِ نسواں، تحریکِ نسواں یا تانیثیت کا نام دیا گیا۔ تمام معاملاتِ حیات میں مساوات عورت کا قانونی و شرعی حق ہے، جس سے زمانے کے خدا اسے محروم نہیں کر سکتے۔ اسی حقیقت کے ادراک و حصول کے پیشِ نظر عورت اس ضمن میں طلبِ حق کا اعلان کرتی ہے۔ جیسا کہ

"سب توڑ کے بندھن دُنیا کے میں پیار کی جوت جگاؤں گی
اب مایا جال سے نکلوں گی اور جوگنیا کہلاؤں گی" (شبنم شکیل)

معاشرے میں مردوں کی بالادستی کے باوجود خواتین کے انتہائی نامساعد حالات میں جینا سیکھا ہے۔ حقوقِ نسواں کے ناقدین کے لیے "Feminist" فیمینسٹ اور تحریکِ آزادیِ نسواں کے لیے اصطلاح فیمینزم (Feminism) استعمال کی جاتی ہے۔ قومی انگریزی اردو لغت میں اس کا مفہوم کچھ یوں درج ہے:

"نظریہ حقوقِ نسواں، تحریکِ نسواں، یہ نظریہ کہ سماجی اور سیاسی لحاظ سے عورتوں کے حقوق مردوں کے برابر ہونے چاہئیں۔ ایسے حقوق حاصل کرنے کی تحریک"(1)

سال ہا سال سے رائج مرد کا فوقیت آمیز رویہ، برتری کا رویہ، مرد کا عورت کو خود سے کم تر سمجھنے کا رویہ عورت کے شخصی و ذہنی ابتذال کا سبب و علت رہا ہے۔ اس طرح کے رویے سے عورت میں احساسِ کم تری جنم لیتی ہے۔ اس کی انانیت، خودداری، خود اعتمادی اور خود ارادیت مفقود و معدوم ہو جاتی ہے۔ اس سے معاشرے میں اس کو ثانوی حیثیت دی جاتی ہے۔ اس کی خود مختاری کا عنصر مرد کی کسی انا کی بھینٹ چڑھ جاتا ہے۔ اس سلسلے میں انیس ہارون اپنے مضمون "فیمینزم اور پاکستانی عورت" میں لکھتے ہیں:

"فیمینزم نام ہے اس احساس کا کہ معاشرے میں پدر سری نظام مسلط ہے اور نظریاتی سطح پر عورت کی محنت، حیثیت اور اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت کا۔ خاندان میں اور کام کرنے والی جگہ پر غرض پورے معاشرے میں استحصال کیا جاتا ہے اور اسے کچلا جاتا ہے اور وہ تمام مرد اور خواتین جو اس حالت کو بدلنا چاہتے ہیں، وہ فیمینسٹ ہیں۔"(2)

کسی بھی تحریک کا آغاز و ارتقا تو شماریاتی طریقے سے متعین کرنا کارِ مشکل ہے، کیوں کہ کسی تحریک کے آغاز میں کئی صدیوں کی کوششیں اور طاقتیں کارفرما ہوتی ہیں۔ سالوں کی جدوجہد کے بعد زمان و مکاں میں انھیں قبول کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ منظم شکل و صورت میں اپنے مقاصد کا تعین کرتی ہیں اور وہ تب جا کر تحریک کا درجہ اختیار کرتی ہے۔ اس طرح "تانیثیت" کی بات کی جائے تو 1792ء میں وول سٹون رائٹ کی کتاب "A vindication to the Rights of the women" سے ہی منظرِ عام پر آنا شروع ہو گئے لیکن شاید اس سے پہلے بھی کہیں انفرادی سطح پر نسائی حقوق کے حوالے سے کام کیا گیا ہے، تاہم اس کو دبانے میں منفی رویہ اختیار کیا گیا۔ مردوں نے اس شعور کو دبانے کے لیے اسے کبھی شر اور کبھی بُرائی سے منسوب کر دیا۔ عورت کو چڑیل، جادوگرنی، کنیز، باندی، اچھوت اور اسی طرح کے القابات دے کر دبانے کی کوشش کی۔ کہیں عورت کے باغیانہ رویے کو کچلنے کے لیے اسے دیوار میں چُنوا دیا گیا تو کہیں اس کے لیے پاگل خانے تعمیر کیے گئے۔ جرمن گریر کا کہنا ہے کہ

"ہر دور میں ایسی عورتیں موجود رہی ہیں جنھوں نے معاشرے میں اپنا صحیح مقام متعین کرنے کے لیے بغاوت کے پرچم بلند کیے۔"(3)

1848ء میں امریکا میں نسائی حقوق پر ایک کانفرنس منعقد کی گئی۔ یہ تانیثیت کے متعلق پہلی کانفرنس تھی، جس میں مختلف تنظیمیں قائم کی گئیں۔ اس میں انسانوں کے بنیادی حقوق کی بحالی کے لیے آواز اٹھائی گئی۔ عورت کے تشخص کو اجاگر کرنے کے لیے اس کو انفرادی سطح پر تسلیم کروانے کی کوششیں کی گئیں۔ یہ اخلاقی، تہذیبی، معاشرتی، سیاسی اور دیگر حقوق و مقاصد کو پورا کرنے میں معاون و مددگار ثابت ہوا۔ 1970ء میں مغرب میں تانیثیت کو پذیرائی ملی ہے۔ مغربی دانش وروں نے اس کی اشاعت و ترویج میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ بعد ازاں، اسے لسانیات اور ادبیات میں جگہ ملی اور اس پر باقاعدہ تحقیقی و تحریری کام شروع ہوا۔ علمی و ادبی اور سماجی حوالے سے بھی اس کو سراہا گیا۔ تانیثیت کو 1980ء میں سراہے جانے کے بعد اس کی سماجی اہمیت کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے مختلف پہلوؤں کو بیان کیا گیا۔ 1980ء کی دہائی میں تانیثی مباحث کا رجحان تبدیل ہوا، کیوں کہ اس وقت تانیثیت کو بھی ساختیات، مارکسیت اور لسانیات کی طرح موضوعاتی حیثیت حاصل ہو گئی۔ تانیثیت خود ایک اہم موضوع کی شکل اختیار کر گئی۔ یہ وہ وقت تھا جب صرف مردوں کے تصور پر ہی غور نہیں کیا گیا بلکہ عورتوں کو درپیش مسائل، ان کے شعور و تصور پر بھی توجہ دی گئی اور اس کے متعلق "نئی راہیں" کھوجی گئیں۔ اکثر اوقات نئی راہ اور منزل کا جنون بغاوت کو جنم دیتا ہے، تو تانیثیت میں بھی بغاوتی یا انحرافی رویے سامنے آئے

خواتین کو سماجی، اخلاقی، سیاسی، تعلیمی اور معاشی لحاظ سے جنس کی تخصیص کیے بنا برابری قائم کرنا، تانیثیت ہے۔ جبر و ظلم سے آزاد اور ایک خوب صورت اور مثالی زندگی فراہم کرنا، انسان ہونے کے ناطے ان کے ساتھ انسانیت کا سلوک روا رکھنا، تانیثیت کے مبادیات ہیں۔ عورتوں کے ساتھ ہونے والے مظالم، جبر و استبداد اور جنسی، جسمانی اور ذہنی استحصال کے خلاف آواز اٹھانا، تانیثیت کی بنیادی جہات ہیں۔ اس سے بین الاقوامی سطح پر بھی مختلف لائحہ عمل اور تجاویز پیش کی گئیں۔ زمانۂ قدیم سے مرد کو طاقت ور اور حکم ران کی سی حیثیت حاصل رہی ہے، جب کہ عورت کو ہمیشہ کم زور اور محکوم رکھا گیا۔ عورت کو کم زور سمجھ کر اس کو گھر کا کام سونپ دیا گیا۔ اس کو ناقص العقل ہونے کا طعنہ دیا گیا۔ شرم و حیا، شرافت، رسم و رواج اور دین کا لبادہ اوڑھا کر عورت کو مرد سے کم زور ثابت کیا گیا۔ مذہب کی غلط توضیح کے تحت عورت کو کم زور کہا گیا، جس سے اس کے اندر کم تری کا احساس پیدا ہوا۔ مذہب کی غلط تعبیرات سے اس کے احساسات و جذبات کو کنٹرول کیا گیا۔ اکثر اوقات خواتین کو دیکھا جائے تو وہ اپنے ہونے یا اپنے وجود کی اہمیت سے بھی ناواقف ہیں یا اپنے وجود کی اہمیت کو مرد کی نسبت سے اہم سمجھتی ہیں۔ اس طرح عورت ہمیشہ مرد کے ماتحت رہی ہے اور ایک غلام، باندی یا کنیز کی حیثیت سے زیادہ اہم نہیں رہی۔ اگر دیکھا جائے تو ملازمت ہو یا کاروبار، بنک، ہسپتال، سکول، کالج، یونی ورسٹی تمام شعبہ ہائے زندگی میں خواتین مرد کے برابر کام کر رہی ہیں۔ اس لیے ہر شعبے کی از سر نو

تشکیل ہو تا کہ خواتین کی حیثیت واہمیت کو جانا جائے، تسلیم کیا جائے۔ اس طرح ان کی اپنی اہمیت و حیثیت ہوتی ہے، جس سے وہ خود کفیل ہو سکتی ہیں۔

مرد کے حصے میں بیرونی کام ہیں، جب کہ امورِ خانہ داری عورت کی ذمہ داری ہے تو وہ سرانجام دیتی ہیں۔ عورت تخلیقی، عقلی، ذہنی اور جسمانی حیثیت سے کسی طرح بھی مرد سے کم نہیں ہے۔ تاہم، اس کی صلاحیتوں کو ماننے سے انکار کر کے اس کو ہمیشہ تذلیل اور کم تری کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ خواتین کو کبھی ایک مثالی ماحول میسر نہیں آیا کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو منوا سکیں۔ اخلاقیات کی بات کی جائے تو وہ بھی صرف عورتوں کے لیے اہم ہیں۔ غیرت کے نام پر قتل ہو، پسند کی شادی، ونی کی رسم ہو یا قرآن سے نکاح یہ تمام ترچیزیں بھی صرف عورتوں کی ذات سے منسوب ہیں۔ آج تک صرف عورت کو ہی غیرت کے نام پر قتل کیا گیا۔ کبھی کسی مرد کو کسی عورت نے غیرت و حمیت اور عزت و ناموس کے نام پر قتل نہیں کیا، کیوں کہ عورت کم زور ہے۔ اسی طرح گالیاں بھی صرف عورت سے منسوب ہیں۔ اس کی مثال آپ کو پاکستانی اور ہندوستانی سماج کی پنجابی ثقافت میں عام ملے گی۔ اس طرح کے مسائل محض مسائل ہی نہیں ہیں بلکہ سراسر زیادتی ہے۔ عورت کو کم از کم انسان تو سمجھا جائے اور اس کے ساتھ انسانی سلوک روا رکھا جائے۔ اس طرح کے مسائل کا حل اور لائحہ عمل تیا کرنا، تانیثیت کا دائرہ کار ہے۔ معاشرتی و سماجی سطح پر تمام انسانی امور کی مساوات کی سطح پر درجہ بندی کرنے کی جدید فکر کا نام تانیثیت ہی ہے۔

ہر وہ عمل تانیثی تحریک کا محرک ہے جہاں عورت کا استحصال ہو رہا ہے۔ جیسا کہ شروع شروع کے وقتوں میں خواتین کا مذہبی بنیاد استحصال بھی کیا جاتا تھا۔ اس کے جاہلانہ اور فرسودہ سوچ، جس میں عورت کے بنیادی حقوق کے مطالبے پر اس کو قتل کر دیا جاتا تھا۔ صدیوں سے خواتین پر ظلم و ستم کیا جا رہا ہے، جس میں زمانۂ جاہلیت میں لڑکیوں کو زندہ در گور کرنا، ان کی عزت کا خیال نہ کرنا، گالم گلوچ کنا، آوازیں کسنا، عصمت دری کرنا، ونی کی رسم، کم عمری کی شادی، امورِ خانہ داری میں بھول چوک پر سزائیں دینا، ذہنی وجسمانی اذیت دینا، شوہر کا بیوی کو لعن طعن کرنا، سسرالی مخالفانہ تنازعات، وراثت و ترکہ میں حصہ مانگنا، خلع کا مطالبہ کرنا، عورت کے احساسات و جذبات کو مجروح کرنا، سب سے اہم بات کہ پہلے دن، پیدا ہوتے ہی اس کی خوشی نہ منانا، اس خوشی میں مبارک باد وصول نہ کرنا اور رنج کا اظہار کرنا، عورت کو لعن طعن کرنا کہ بیٹی کیوں پیدا کی۔ اس طرح شاہی نظام میں عورت کو دنیاوی تعلم سے محروم رکھنے کا رواج عام تھا، جو اب تک روا ہے۔ عورت صرف اور صرف مذہبی تعلیم حاصل کرنے کا حق رکھتی تھی۔ دنیوی تعلیم صرف مردوں کا حق اور ان کے لیے اہم سمجھی جاتی تھی۔ یہ سلوک اب تک عورت کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے۔ بیٹوں کے لیے اعلا تعلیم اور جامعات کا انتخاب خوش دلی سے کیا جاتا ہے، تاہم بیٹیوں کے لیے اعلا تعلیم حاصل کرنے کے لیے

طرح طرح کی رکاوٹیں آڑے آتی ہیں۔ اس طرح اس کو کسبِ تعلیم کے بنیادی حق اور آزادیِ اظہار سے محروم رکھا جاتا ہے۔

مختلف مقابلوں اور کھیلوں میں عورت پر شرط لگا کر عورت کو ہارا اور جیتا جاتا ہے۔ کہیں شاہی نظام میں تو کہیں اپنا کام نکلوانے کے لیے عورت کو ہدیہ کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ عورتوں پر جو انسانیت سوز مظالم ڈھائے جاتے ہیں، ان حالات میں عورت پر زمین تنگ کر دی جاتی ہے اور سورج سوا نیزے پر ہوتا ہے۔ زور زبردستی کے نکاح اور بے وجہ طلاق بھی اور پھر ان کو حقوق سے دست بردار کر دینے جیسے معاملات کو حل کرنا بھی تانیثیت کا قضیہ ہے۔ تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو جنگوں اور مقابلوں کے بعد خواتین کو بھی مالِ غنیمت سمجھا جاتا تھا۔ اس کا بٹوارہ بھی کیا جاتا تھا۔ یہ بٹوارہ سامان کی طرح ہوتا تھا۔ عورت کو انسان نہیں صرف لونڈی یا کنیز کی حیثیت حاصل تھی۔ وہ محض کنیز، ملازم، لونڈی یا باندی بن کر خدمت ہی کیا کرتی تھی۔ جنگوں اور مقابلوں میں جب ہارنے کے آثار زیادہ نظر آتے تھے تو خواتین کو عزت و ناموس کے نام پر قتل کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا تھا، تاکہ مالِ غنیمت میں ان کو کوئی لے نہ جائے۔ اس غیرت کے نام پر خواتین کے ساتھ بے جان اشیا یا مال و اسباب جیسا سلوک روا رکھا جاتا تھا۔

> "فاتح افواج سب سے پہلے مفتوح اقوام کی عورتوں کی آبرو ریزی کرتے تھے اور یہ قدیم تاریخی ہی بات نہیں۔ دوسری جنگِ عظیم میں رومیوں نے جرمن خواتین کی اجتماعی زیادتی کی، سربیا اور بوسنیا کی جنگ میں سربیا کی فوج نے بوسنیا کی خواتین کی عصمت دری کی۔"
>
> (4)

شاہی نظام سے آج تک اگر کوئی مظلوم اور تنہا عورت کسی امر شاہی نظام میں کسی افسر کے ہاتھ لگ جائے تو اس کا استحصال کیا جاتا ہے۔ جب عورت بیوہ ہو جائے تو اس پر بناؤ سنگھار کرنا حرام قرار دیا جاتا ہے، وہ ساری عمر سفید لباس کی حق دار ٹھہرائی جاتی ہے، یعنی اس رنگ کے علاوہ دوسرا کوئی رنگ پہننا اس پر جائز نہیں گردانا جاتا۔ عورت کو رسم و رواج کا طوق پہنا دیا جاتا، وہ منحوس قرار دی جاتی اور اس کو "اپ شگن" مان کر اس پر خوشیوں میں رسم ادا کرنا بھی بین کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح وہ خواتین ظلم و کرب میں مبتلا رہتی تھیں اور تاعمر اس ناکردہ گناہ کی سزا کاٹتی رہتی تھیں۔ "حیض" جو ایک فطری عمل ہے، اس عمل کے دوران میں ان خواتین کو باورچی خانے تک بھی رسائی حاصل نہیں ہوتی تھی، اس کے برتن الگ کر دیے جاتے تھے، اس کو اچھوت سمجھا جاتا تھا، اس کو پلید قرار دے کر غذائیں محدود اور الگ کر دی جاتی تھیں۔

مصری تہذیب کی بات کی جائے تو عورت کو مقام و مرتبہ تو حاصل تھا لیکن خواتین کو تخت کا وارث نہیں بنایا جاتا تھا۔ عورت کو کم تر جان کر اس کو ان عہدوں پر فائز کرنا معیوب سمجھا جاتا تھا، اس ناجائز سمجھا جاتا تھا۔ بعض روایات

کے مطابق یا قانون کی وجہ سے عورت چاہے بیٹی ہو یا بہن اسے شادی کرنا پڑتی تھی۔ ایک دور میں روایت ورسم عام تھی کہ اگر کسی عورت کا خاوند کسی حادثے یا جنگ وجدل میں مر جاتا تھا اور اس مرد کی لاش نہ ملنے کی صورت میں اس مرد کی جگہ اس کی پگڑی اور جوتوں کے ساتھ عورت کو آگ میں جلا دیا جاتا تھا۔ اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ایک گڑھے میں ڈال کر آگ جلا دی جاتی تھی اور اس کے عزیز ورشتہ دار مرد اس کی نگرانی کرتے تھے تاکہ بھاگ نہ پائے۔ جہاں زندہ درگور کرنے کا رواج تھا، وہاں اس گڑھے میں زندہ سلامت دفن کر کے تسکین حاصل کی جاتی تھی۔

اگر طوائف بننے کی وجوہات دیکھی جائیں یا آج کل کے معاشرے میں "کال گرل"(Call-Girl) بننے میں بھی مردوں کے مظالم کا گہرا عمل دخل ہے۔ اس کے علاوہ رشتے کا نہ ہونا، عمر کا زیادہ ہو جانا، بیوگی، بانجھ پن اور اس طرح کے مسائل سے بھی عورت کا جنسی استحصال کیا جاتا ہے اس طرح عورت اپنی جنسی تسکین حاصل کرنے کے علاوہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے اس راہ کا انتخاب کرتی ہے۔ شاہی نظام، باندی، طوائف اور اب کال گرل اس کی جدید شکل ہے۔ اس سب میں معاشرے کا ناروا سلوک اور مردوں کی عزت وغیرت کے سبب استحصال کا شکار ہو کر عورت مجبوری میں یہاں تک پہنچ جاتی ہے۔ جب گھر یا معاشرے میں اس کو قبول نہیں کیا جاتا تو مجبوری میں اس راہ پر گام زن ہو جاتی تھی۔

تاریخ کو غور سے پڑھا اور جانچا جائے تو معلوم پڑتا ہے کہ پچھلے دو سو سالوں سے ادبیاتِ عامہ میں تانیثیت موجود ہے۔ مغرب میں مختلف مفکرین، قلم کاروں اور خواتین کے سیاسی وسماجی فلسفے کی بنیاد ممتاز ادیبوں کے ہاتھوں میں رکھی گئی، جنھوں نے تانیثی شعور کو اجاگر کرنے لیے اپنا کردار نبھایا۔ یہ ابتدائی نقوش تھے، جن میں مندرجہ ذیل قلم کاروں کا نام شامل ہیں:

سیمون دی بور(Simone De-Beauvoir) کی تصنیف "The Second sex" میں کھل کر تانیثی شعور کو اجاگر کیا اور اس میں تانیثیت کے مباحث کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ جان سٹورٹ مل (John Stuart Mill) نے محکومیِ نسواں کے عنوان سے مضمون لکھا۔ اس کے علاوہ عورت کے استحصال پر ان کا دوسرا مضمون "On the Subject of Women" کے نام سے سامنے آیا۔ ان اہم ناموں میں گرمین گریئر(Germaine Greer)، الزبتھ گاس کیل (Elizabeth Gaskell)، جوڈتھ بٹر (Judith Butter)، ورجینا وولف، ایچ جی ویلز، جولیا کرسٹیوا، فلورنس ٹائٹنگیل(Florence Nightingale) اہم ہیں۔ اس کے علاوہ الزبتھ لنٹن (Elizabeth Linton)، چارلوٹ یونگ(Charlotte Younge)، دینہ میلوک کریک(Dinah Malok Craik) اور برناڈ شا(Barnard Shaw) کے نام بھی تانیثی قلم کاروں میں شامل کیے جاتے ہیں۔ ان قلم کاروں کی تخلیقات و تحریرات میں بھی تانیثی فکر اور رجحانات پائے جاتے ہیں۔ انھوں نے خواتین، خواتین کے استحصال، محکومی و محرومی،

جبر و استبداد، خواتین کی شناخت کے لیے دلائل کے ساتھ تشریحات پیش کی ہیں۔ آہستہ آہستہ یہ شعور و رجحان بین الاقوامی سطح پر بھی پھیل گیا۔

جب مغرب میں تانیثیت کو عروج ملا تو مشرق میں بھی تانیثی ادب نے اپنا اہم کردار ادا کیا۔ اردو ادب میں تانیثی فکریں تو پہلے ہی موجود تھیں، اس دور کی صنفوں میں جیسے ریختی، غزل اور ناول وغیرہ میں یہ شعور اجاگر کیا جاتا تھا۔ یہ تانیثیت کی ابتدائی شکلیں تھیں۔ تانیثیت یا تانیثی شعور کی بابت لکھنے اور اسے عوام تک پہنچانے والے اہم ناموں میں اللہ عارفہ، عصمت چغتائی، فہمیدہ ریاض، فرخندہ نسرین، کشور ناہید، شہناز نبی، قرۃ العین، پروین شاکر، شفیق فاطمہ، سارا شگفتہ، ساجدہ زیدی، ترنم ناز، رفیعہ شبنم، صالحہ عابد حسین،، بلقیس ظفر الحسن، عنبرین رحمان قابلِ ذکر ہیں۔ یہ وہ خواتین قلم کار ہیں جنھوں نے تخلیقی شکل میں خواتین کے حقوق کے لیے احتجاج کی صدا بلند کی۔ مثلاً چوتھی سدی عیسوی میں مذہبی تنظیم کی جانب سے ایک فتویٰ لگایا کہ عورت کو اس طرح لکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ ان کے نام کوئی خطوط نہیں آنے چاہئیں تو اس وقت عورتیں شروع شروع میں جو اخبارات اور جرائد میں لکھتی تھیں ان کا نام پوشیدہ رکھا جاتا تھا۔ یا وہ مردانہ ناموں سے لکھتی تھیں یا پھر نام کے اول حرفِ تہجی جیسے ز-خ-س وغیرہ یا ہمشیر فلاں، بنت فلاں، زوجہ فلاں۔ ان کی پہچان بھی اسی طرح کے مخفی ناموں سے ہوتی تھی۔ اس تانیثی تشخص کو مسئلہ سمجھ کر اس پر کھل کر بحث و تمحیص کی گئی۔ ادب میں تانیثیت کا نعرہ، احتجاج یا شور و غل نہیں بلکہ تخلیقی شکل میں ہے اور اس شعور کو اجاگر کرنے کے لیے تخلیقی کام لیا گیا۔

تانیثیت کا اہم قضیہ یہ ہے کہ سماج اور معاشرے میں دبی، کچلی خواتین کو انصاف دلوانا اور ان کی شناخت قائم کروانا۔ خواتین قلم کاروں کی ان آوازوں نے عورتوں کو اپنا مقام و منصب سمجھنے اور مساوی حقوق حاصل کرنے کے لیے معاون و مددگار ثابت ہوئیں۔ خواتین قلم کاروں کا ذکر ہوتا ہے تو سرفہرست رشید جہاں اور عصمت چغتائی کے نام ابھرتے ہیں۔ اس میں ان کے موضوعات جذباتی اور نفسیاتی ردعمل کے ہیں۔ خواتین کی نفسیات اور جذبات کو سمجھنے اور ان کو مجروح ہونے سے بچانے کے لیے قلم اٹھایا۔ خواتین کی ذہنی و جسمانی مشقت، جس میں کسان خواتین کے ہاتھوں کے چھالے، کم عمر لڑکیوں کی شادیوں کے مضر اثرات، مردوں کے روایتی مظالم اور عورت کی پسند و ناپسند کو پس پشت ڈال کر مرد (خاوند) سے وفاداری ان تمام تر جذبات اور مسائل کو ادبی شکل میں سامنے لانے کی سعی کی گئی۔

"بھرتے ہیں شریکِ سفر ہم رہی کا دم چلتے ہیں ساتھ ساتھ عناں گیر کی طرح" (کشور ناہید)

قرۃ العین حیدر کے تانیثی شعور پر نظر ڈالی جائے تو انھوں نے سماجی، سیاسی، ثقافتی پس منظر میں اپنی توجیہات بیان کی ہیں۔ ان کی تخلیقات شعورِ ذات یا خود آگاہی کے ساتھ ساتھ جہاں بینی کی بہترین عکاس بھی ہیں۔ شادی بیاہ کے معاملات میں عورتوں کی رضامندی میں خواتین کے کو مسائل ہیں، ان کو بھی قلم بند کیا۔ اس کے علاوہ

بشریٰ رحمان کے فکشن میں نسائی شعور اور نسائی حقوق پر تفصیلاً بحث کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں جیلانی بانو " بیسویں صدی میں خواتین اردو ادب " میں رقم طراز ہیں:

"اس تباہی میں سب سے زیادہ مار عورت نے سہی ہے۔ کیوں کہ اس ملک میں زمین کی طرح عورت بھی مرد کی ملکیت سمجھی جاتی ہے، جو بیچی اور خریدی جا سکتی ہے، پیدا ہونے سے پہلے مار ڈالی جاتی ہے۔"(5)

زمانہ جاہلیت میں بھی خواتین عیش و عشرت کا سامان سمجھی جاتی تھیں۔ زنا بالجبر کیا جاتا تھا۔ جمیلہ ہاشمی اور عصمت چغتائی نے بھی اس کڑوے کرب کی داستانیں تخلیقی صورت میں رقم کی ہیں۔ ان کے ہاں نچلی، غریب، بے بس عورتیں، کنیز، باندیاں اور ایسی عورتیں جن کے اندر شعور کی کمی تھی، اس کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اردو شاعری پر نگاہ ڈالی جائے تو تو پتا چلتا ہے کہ ان پر تو کئی غزلیں کہنا محبوب و دل پسند مشغلہ تھا۔ خواتین پر دیوان کے دیوان لکھے جا سکتے تھے، لیکن انھیں خود غزل کہنے کی ہر گز اجازت نہیں تھی۔ کیوں کہ ایک عورت کیسے کسی مرد سے محبت اور اظہارِ محبت کر سکتی ہے۔ وہ تو نہ دل رکھتی ہے، نہ جذبات۔ وہ صرف مٹی سے بنا بُت یا مٹی سے بنی مُورتی ہے، جو وجود تو رکھتی ہے، مگر اہمیت و وقعت بالکل نہیں۔ دوسرے الفاظ میں اسے روبوٹ کہا جا سکتا ہے، جو مردوں کے معاشرے میں ان کے بنائے گئے اصول و ضوابط کے مطابق چلتی اور جیتی ہے۔ قرۃ العین حیدر نے خواتین کو ذہنی و جذباتی طاقت و قوت دینے کے لیے مردوں کے برابر کام کیا۔ اس موضوع کے لیے صفحۂ قرطاس پر اپنی تشریحات بکھیریں۔ وہ ایک باشعور، صائب الرائے شخصیت اور لکھاری تھیں۔ مردوں کی فرسودہ روایات سے بغاوت کر کے خواتین کی خود مختاری اور برابری کے حقوق کا تقاضا کرتی تھیں۔

خدیجہ مستور، ہاجرہ مسرور اور ممتاز شیریں نے بھی اپنے افسانوں میں انھی فرسودہ رسوم و روایات اور مضر کرداروں کے معاملے میں باغیانہ روش اختیار کی۔ فہمیدہ ریاض نے مختلف مسائل پر قلم اٹھایا، لیکن اہم مسئلہ امورِ خانہ داری اور ازدواجی زندگی کی ناچاقیوں اور مسائل ہیں۔ فہمیدہ ریاض نے ان مسائل پر قلم فرسائی کی اور معاشرے میں کُھل کر ان معاملات کو بیان کیا، نیز عورت کے احساسِ کم تری اور بے چارگی سے پردہ اٹھایا۔ اس کے علاوہ مختلف قلم کاروں میں اہم نام رضیہ شبنم عابدی، کشور ناہید، فرخندہ لودھی، جیلانی بانو، شہناز نبی، عذرا پروین، ثمینہ جیلانی، رضیہ فصیح احمد، زاہدہ حنا، رخسانہ جبین، عباسی بیگم، حسن بیگم، ادا جعفری اور سیدہ عارفہ کے ہیں۔

"یوں تیری شناخت مجھ تک اُترے   پہچان تک میں اپنی بھول جاؤں" (پروین شاکر)

پروین شاکر وہ شاعرہ ہیں، جن کے ہاں تحریریں سراپا نسائیت نظر آتی ہیں۔ ان کے ہاں شخصی محبت اور نا آسودگی کے جذبات نمایاں ہیں۔ جیسا کہ وہ کہتی ہیں:

"تجھے مناؤں کہ اپنی انا کی بات سنوں　　　　الجھ رہا ہے میرے فیصلوں کا ریشم بھی"

بلقیس ظفیر الحسن کے معاشرتی ناہمواریوں کے علاوہ عورت کی غلامی کا ایک شدید ترین احساس ہے۔ وہ عورت کو محکوم و مظلوم سمجھتے ہوئے اس کو پیش آئندہ مسائل و تکالیف کو زیرِ بحث لاتی ہیں۔ جس محکومی و مظلومیت کی نشان دہی وہ اپنی تخلیقات میں کرتی ہیں، وہ آج کی عورت میں بھی دیکھی اور محسوس کی جا سکتی ہے۔

"کوئی معیار تو اے دست عطا کر مجھ کو　　　　جنس کم مایہ سہی کچھ تو گرانی دے دے"

تانیثی شعور اس لیے بھی ضروری تھا، تاکہ خواتین میں مذہبی، مسلکی، سیاسی، سماجی، اقتصادی، خانگی، سرکاری، ثقافتی سطح پر شعور اجاگر کیا جا سکے۔ شعور کی بے داری آنے والی نسلوں کی پرورش کے لیے ضروری ہے، تاکہ معاشرہ مستحکم ہو سکے اور کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ

"اگلے جنم موہے کیجیو　　　　جواب کیسے ہو داتا، ایسا نہ کیجیو　　　　رو بھی نہ پاوے ایسے گڑیا نہ کیجیو

تانیثی شعور سے خواتین اپنی ذات کو پہچانتی ہیں، اپنے تشخص کے لیے کام کر رہی ہیں۔ زمانۂ جاہلیت یا اب تک جو ظلم و جبر کیا جاتا ہے اس سے چھٹکارا حاصل کرنے میں تانیثی شعور خواتین کا معاون و مددگار ہے۔ آج سے قبل مردوں کی جو الگ شناخت تھی، وہ خواتین کو بھی حاصل ہو رہی ہے۔ جن خواتین کو کم تر اور کمزور سمجھا جاتا تھا، ان خواتین کو آج برابری کے حقوق مل رہے ہیں۔ پرانے زمانے کی روش سے انحراف کر کے جو نئی روش اختیار کرنے کی سعی کی گئی ہے، اس میں خواتین خود مختار ہیں۔ اچھے اور بُرے؛ کھرے اور کھوٹے کی پہچان کرنے کے قابل ہوئی ہیں۔ خواتین اب ہر شعبۂ زندگی میں اپنا کردار ادا کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ طب ہو یا فوج داری، کسی لشکر کی سپہ سالار کی حیثیت اختیار کر رہی ہیں۔ مرد کے شانہ بشانہ کھڑے ہو کر اپنے گھریلو معاملات کے علاوہ پیشہ ورانہ زندگی میں بھی اپنا بھرپور حصہ ڈال رہی ہیں۔ تانیثی تحریک یہ شعور اجاگر کرتی ہے کہ عورتوں نے ہر معاملے میں مردوں کے برابر کام کیا ہے، تو ان کے حقوق بھی انھیں مساوی سطح پر ملنے چاہئیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس تحریک کی جڑیں مضبوط و مستحکم ہوتی جا رہی ہیں۔ آج سے پہلے جو اصطلاح صرف مردوں کے لیے استعمال ہوتی تھی، یعنی کہ چیئر مین، اب اس کو بدل کر چیئر پرسن کر دیا گیا ہے۔ ان اصطلاحات کا اس طرز سے بدلنا تانیثی شعور کی کام یابی کی دلیلِ صریح ہے۔

تانیثیت نے وہ شعورِ زندگی بخشا کہ عورت اپنی مرضی سے سوچ سمجھ کر فیصلہ لینے کی استطاعت رکھتی ہے۔ عورت ظلم و جبر اور استبداد کا شکار ہے، لیکن معاشرتی، معاشی، سیاسی، سماجی، اقتصادی اور تہذیبی سطح پر اپنے استحصال کو پس پشت ڈال کر معاشرے کی تعمیر و ترقی میں اپنا حصۂ اساسی ڈال رہی ہے۔ جس معاشرے میں خواتین کے حقوق پر آواز نہیں اٹھائی جاتی، وہاں خواتین بدستور استحصال کا شکار ہیں۔ ترقی میں عورت کا بھی مثبت اور تعمیری کردار رہا ہے۔ اس لیے نسوانی استحصال زدہ معاشروں میں تعمیر و ترقی رک جاتی ہے، نیز معاشرہ بد امنی و بد حالی کا شکار ہو جاتا

ہے۔ عورت جہاں اپنے حقوق کی حفاظت اور یکسانیت کے لیے آواز اٹھا رہی ہے، وہاں وہ ہر معاملے میں مرد کی عزت و تکریم کا پاس رکھنے کی بھی کوشش کرتی ہے۔ مرد جہاں منفی سوچ کے حامل ہو کر اپنی توانائیاں عورت کو کم تر اور کمزور ثابت کرن ے میں ضائع کر رہے ہیں، وہاں وہ ایک مثبت رویہ اپنا کر اپنے سماج، ملک و قوم کو ترقی کی شاہراہ پر مہمیز کر سکتے ہیں۔ عورت اپنے تشخص کے لیے جو جنگ لڑ رہی ہے، دراصل وہ اپنا اثبات چاہتی ہے، وہ جنس کی قدردان ہے، کیوں کہ جنسی قدر دانی ہر ذی شعور کا حق ہے۔

حواشی و حوالہ جات

1۔ جمیل جالبی، قومی انگریزی اردو لغت، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1991ء، ص 733۔

2۔ انیس ہارون، فیمینزم اور پاکستانی عورت (مضمون)، مشمولہ: فیمینزم اور ہم، مرتبہ فاطمہ حسن، وعدہ کتاب گھر، کراچی، 2013ء، ص 13۔

3۔ جرمن گریز، "عورتیں اور زندگی کے مسائل" (مضمون)، مشمولہ: تانیثیت اور ادب، مرتبہ، انور پاشا، عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی، 2012ء، ص 191۔

4۔ مبارک علی، ڈاکٹر، تاریخ اور عورت، ارتقا انسٹی ٹیوٹ آف سوشل سائنسز، کراچی، چوتھا ایڈیشن، فروری 2010ء، ص 13۔

5۔ جیلانی بانو، بیسویں صدی میں خواتین اردو ادب، ترتیب و انعقاد عتیق اللہ، ماڈرن پبلشنگ ہاوس، دہلی، 2002ء، ص 19، 20۔

6۔ ہادی رسوا، ڈائریکٹر انو مالک، فلم امراؤ جان ادا، "گیت "اگلے جنم موہے بٹیا، 18 دسمبر 2022ء، ساڑھے نو شب۔
https://www.youtube.com/yesurlf?/search-query=agle+janam+btiya+na+kijo+umarao+jaan+Full+Song/

References in Roman Script:

1. Jameel Jalibi, Qaumi Angrezi Urdu Lughat, Islamabad: Muqtadra Qaumi Zaban, 1991, P733.
2. Anees Haroon, “Feminism Aur Pakistani Aurat” (Mazmun), Mashmula: Feminism Aur Ham, Murattibah Fatima Hassan, Karachi: Wada Kitab Ghar, 2013, P13.
3. German Garez, “Auratain aur Zindagi k Masail” (Mazmun), Mashmulah: Tanisiyat aur Adab, Murattibah Anwar Pasha, Delhi: Arshiya Publications, 2012, P191.

4. Mubarak Ali, Dr, Tarikh aur Aurat, Karachi: Irtiqa Institute of Social Sciences, 2010, P13.
5. Jilani Bano, “Urdu Afsany mein Aurat ka Badalta Huwa Kirdar”, Mashmulah: Bisvi’n Sadi mein Khawatin Urdu Adab, Murattibah Ateeq Ullah, Delhi: Modern Publishing House, 2002, P19,20.
6. Ishrat Afreen, “Agly Janam Mauhy Bittya” (Geet), Umrao Jan Ada (Film), Singer Anmol Malik, Music Director Anu Malik, 18 December 2022, 09:00pm,
https://www.youtube.com/yesurlf?/search-query=agle+janam+btiya+na+kijo+umarao+jaan+Full+Song/